داروغہ میر واجد علی تسخیر
اور نظیر آباد لکھنؤ کی وجہ تسمیہ

ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری

داروغہ میر واجد علی مرحوم لکھنؤ کے امیر کبیر اور رئیس اعظم تھے، وہ دنیاوی جاہ وجلال اور صاحب اقتدار ہونے کے علاوہ بڑے مدبّر، قابل منتظم، دوراندیش، اور فہم وفراست کے مالک تھے۔

میر واجد علی آخری تاجدار اودھ حضرت واجد علی شاہ جان عالم کی بیگم سلطان محل کی ڈیوڑھی کے داروغہ تھے۔ بادشاہ واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد ایام غدر میں جب مرزا برجیس قدر کا دوردورہ ہوا تو داروغہ صاحب حضرت محل کے مشیروں میں رہے، مگر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس بدنظمی کا انجام اچھا نہیں تو ازراہ دوراندیشی پھر انگریزوں کے ہواخواہ ہوگئے۔ نواب سلطان محل اور داروغہ میر واجد علی دونوں نے مل جل کر غدر میں کئی انگریز خواتین کی جانیں بچائیں اور اس مہم میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ ان خدمات کے صلے میں داروغہ صاحب کو سرکار سے ایک لاکھ روپیہ اور جاگیر وغیرہ بطور انعام ملی۔ اور وہ اس سرکاری اعزاز کی بدولت زمرۂ تعلقداران میں شامل ہوگئے۔ مرزا محمد کاظم رسالۂ سوانح عمری میں میر واجد علی کی خدمات اور ان کے اعزاء کا ذکر یوں بیان کرتے ہیں۔

"میرواجد علی نہایت دخیل کاروکارگزار بودند،بعداز رفع ایام غدریک لاکھ روپیہ ودیہات وغیرہ بہ میر واجد علی از سرکار انعام وخیرخواہان سرکار محسوب شد"۔

سلطان عالم واجد علی شاہ نے سلطان محل کو اپنے عہد سلطنت میں دو ہزار تین سو درع وچھ کرۂ آراضی واقع خیالی گنج لکھنؤ کے تحفہ کے طور پر عنایت کی۔ داروغہ مذکورہ اور سلطان محل ایک جان دو قالب ہوکر ایک ساتھ گولا گنج میں مقیم رہے۔ ۹رشعبان ۱۲۷۵ھ (مطابق ۱۸۵۹ء) کو سلطان محل نے پچاس ہزار روپیہ کے پانچ قطعہ پرامیسری نوٹ اور جاگیر زمین داری جن کی آمدنی دوسو روپیہ ماہوار تھی اسی کے ساتھ دس ہزار روپیہ کے جواہرات اور باغ ومکاں مالیتی سات ہزار روپیہ جلوس مہندی ومجالس ودیگر مذہبی امور کے لئے وقف کر کے ایک وقف نامہ باقاعدہ تحریر کر دیا جس کی رو سے داروغہ میر واجد علی ولد محمد عباس اور ان کی اولاد وقف مذکور کی متولی قرار دی گئی۔ داروغہ میر واجد علی اپنی زندگی بھر مہندی اٹھاتے رہے۔ یہ مہندی ہر سال بموجب وقف نامہ بڑی دھوم سے ساتویں محرم کو نخاس کی سڑک سے اٹھ کر امام باڑہ داروغہ میر واجد علی، گولا گنج جاتی ہے۔ داروغہ میر واجد علی کا انتقال ۱۴ردسمبر ۱۸۷۶ء کو لکھنؤ میں ہوا۔ وہ اور سلطان محل دونوں امام باڑہ گولا گنج مذکور میں مدفون ہیں۔

داروغہ میر واجد علی شعروسخن کے دلدادہ بھی تھے۔ طبیعت موزوں پائی تھی اردو میں صاحب دیوان تھے لیکن اخلاف کی لاپرواہی سے شائع نہ ہوسکا اور آخر کار تلف ہوگیا۔

وہ غزل میں اسیرؔ کے شاگرد تھے اور اسیرؔ کی مناسبت سے اپنا تخلص تسخیرؔ اختیار کیا۔

ذیل میں ایک غزل بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔

نہ آیا فاتحہ پڑھنے وہ مہرو مہرباں ہوکر
زمین قبر کیوں پیسے نہ ہم کو آسماں ہوکر

نکل سکتا ہے وحشی کس طرح زلفوں کے پھندوں سے
پڑا ہے پاؤں میں ان کا تصور بیڑیاں ہوکر
لحد میں یاد جب آئی کشاکش زلف پیچاں کی
کفن کے بند جتنے تھے وہ لپٹے رسیاں ہوکر
نہ کھینچ اب تیغ ابرو دل نشانہ ہو چکا ظالم
در آئی ہر مژہ کی نوک سینہ میں سناں ہوکر
تلاش ناقۂ لیلیٰ میں دی مجنوں نے جاں اپنی
اسی کی خاک پھرتی ہے غبار کارواں ہوکر
ازل سے دل مرا مشتاق ہے ابرو کی پیکاں کا
نہ مارا تم نے اک تیر نگہ ابروکماں ہوکر
جفا تیری وفا میری الم نشرح ہے اب گھر گھر
یہی قصہ بیاں ہوتا ہے ہر جا داستاں ہوکر
تمہیں پر ہم نے گل کھائے تمہیں نے قتل کر ڈالا
اجاڑا تم نے خود گلزار اپنا باغباں ہوکر
نہ حرف تلخ لب پر لائیے شیریں زباں ہوکر
سخن میں رنگ و بو دکھلائیے غنچہ دہاں ہوکر
اسے دن رات پامالی اسے چکر میں بے حالی
نہ یاں راحت زمیں ہوکر نہ آرام آسماں ہوکر
عدم کے جانے والے منزل آخر پہ جا پہنچے
میں تنہا رہ گیا پیچھے غبار کارواں ہوکر
نزاکت کس قدر ہے پھول کے گجرے جو پہنے ہیں
جھکے جاتے ہیں دونوں ہاتھ گل کی ڈالیاں ہوکر
دلا اگر چاہتا ہے دلربا تنہا ملے تجھ کو
بتادیں راستہ سیدھا تو جاواں لامکاں ہوکر
تلون ہے طبیعت میں تمہاری کس قدر توبہ
نہیں پھر ہوگئی لو وصل کے وعدہ پہ ہاں ہوکر
نجف کی راہ لو تسخیر پھرتے ہو کہاں دردر
لگاؤ بسترا مولیٰ کے در پر پاسباں ہو کر

غزل کے علاوہ تسخیر مرثیہ بھی کہتے تھے:
پہلے مشیر اور پھر مرزا دبیر کے شاگرد ہوئے۔ تسخیر اپنے امام باڑہ گولا گنج میں مرزا دبیر ہی کو پڑھواتے تھے۔ اکیسویں رمضان کی مجلس بھی یہیں مخصوص تھی۔ بقول ثابت لکھنوی جب مرزا صاحب نے ۱۸۷۲ء میں تسخیر کے امام باڑہ میں یہ مرثیہ پڑھا۔

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی

تو تمام مجلس تصویر بنی ہمہ تن گوش تھی اسی مجلس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ دبیر نے جناب زینبؑ اور عون و محمد کے درمیان جو گفتگو نظم کی اس موقع پر انہوں نے ایک مصرع تین طرح سے پڑھا:۔

کیوں تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی

(۱) گھڑکی کے لہجے میں (۲) استفہامیہ طور پر (۳) تاسف اور حیرت کے لہجے میں اس مصرعہ پر اس قدر رقت ہوئی کہ دبیر بقیہ مرثیہ آگے نہ پڑھ سکے۔

تسخیر محبت اہل بیت کے نشہ میں سرشار تھے۔ مجالس عزا میں امام مظلوم کے نام دل وجان سے ہزاروں روپیہ صرف کرتے تھے۔ ان کے امام باڑے میں مرزا دبیر کے علاوہ مرزا اوج بھی رونق افروز منبر ہوتے تھے۔ تسخیر مرثیہ کہتے تھے او راپنے استاد مرزا دبیر کے رنگ میں خوب جوہر دکھاتے تھے۔ ''نوحہ تسخیر'' کے نام (سے) ان کے پندرہ مراثی ۱۳۰۹ھ میں مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ سے شائع ہوئے۔

''نوحہ تسخیر''، تسخیر کے مجموعہ مراثی کا تاریخی نام ہے۔ ذیل میں ایک مرثیہ کے چند بند درج کئے جاتے ہیں ؎

نور رخ حسینؑ سے صحرا ہے نور نور
ذروں کو دستیاب تجلی ہے طور طور
قدسی قریں قریں ہیں بنی جان دور دور
سنگ ثواب سے دل عصیاں ہے چور چور
خورشید میں وہ نور نہ وہ ضو میں غرہ ہے
باقی جو کچھ رہا ہے تو وہ ذرہ ذرہ ہے
تحفہ درود کے لئے قدسی طبق طبق
پڑھتے ہیں مدح مصحف ناطق ورق ورق

ہے نوررخ سے خاک پہ سرخی شفق شفق
حق آج شادشاد ہے باطل عرق عرق
اعدا کا ظلم شاہ پہ گوفوج فوج ہے
دریائے رحم آپ کا یاں موج موج ہے
خوشبوگل رسولؐ کے تن کی چمن چمن
قطرے نہیں پسینہ کے درہیں عدن عدن
شرمندہ لب سے لعل بدخشاں یمن یمن
شہرہ ہے مشک گیسوئے شہ کا ختن ختن
صحرا کے ہرشجر سے عیاں طور طور ہے
ذکر جمال سبط نبیؐ دور دور ہے

تسخیرؔ ہر سال سترہویں ربیع الاول کو اعلیٰ پیمانے پر محفل میلاد منعقد کرتے تھے اور اس میں میلاد نامہ پڑھا جاتا تھا۔ مرزا دبیرؔ کے انتقال کے کچھ دن بعد مرزا اوجؔ نے اپنا شہرۂ آفاق میلاد نامہ یہیں پڑھا تھا۔

ذیل میں ایک بند جس میں تسخیرؔ کا ذکر کیا گیا ہے پیش کیا جاتا ہے۔

توبہ ہزار توبہ (میں) کیا اور مرا کلام
پرہے یہ بزم مولد پیغمبرانام
بانی کا اس کے سید واجد علی ہے نام
پڑھئے وہ نظم وجد کریں مل کے خاص وعام
مداحوں پر ائمہؑ کی تائید کب نہیں
گرصاحب الزماںؑ کا گذرہو، عجب نہیں

تسخیرؔ بھی میلادنامے کہتے تھے۔ ۱۲۹۲ھ (مطابق ۱۸۷۵ء) میں ایک مولودنامہ شائع ہوا اس کا مطلع یہ ہے۔

دنیا میں کس کے نور کا یارب ظہور ہے
کیوں آج سرد گرمئ بازار طور ہے
زائل ہے کفر دین سے دل کو سرور ہے
سجدے میں خاک پرسرکبروغرور ہے
دنیامیں آمدشہ گردوں جناب ہے
ہرذرہ آج تاج سرآفتاب ہے

مولودنامہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تسخیرؔ کو ساقی نامہ لکھنے میں بھی مہارت حاصل تھی۔ ذیل میں چند بند درج کئے جاتے ہیں۔

ساقی یہ روز عید ہے مجھ کو پلا شراب
انگور خلد سے جو کھنچی ہے وہ لا شراب
پھولوں مدام پی کے جسے وہ منگا شراب
رنگ اس کا لال لال ہو اور بے بہا شراب
لبریز کردے جام کو میرے شراب سے
مستی میں آکے چھین لوں تیغ آفتاب سے
وہ مے پلا کہ جس سے ہوایمان کو سرور
مے بادۂ ظہور ہو اورجام جام نور
مستی سے میری دور ہو بدمستوں کا غرور
غلماں ہوں پیش چشم تماشا بغل میں حور
ایماں کا نشّہ ہو، لب ساغر کو چوم کر
خطبہ غدیر خم کا پڑھوں جھوم جھوم کر
سب حق پرست جمع ہیں ہے مجمعِ طرب
مسرور بیٹھے ہیں لب ساغرپہ رکھے لب
مست مئ ولاہیں محب شہِؑ عرب
کیا دخت رز کا کام وہ کیوں آئے بے سبب
مولود کا یہ روز ہے حوروں کا کام ہے
سب جنّتی ہیں خلد میں سب کا مقام ہے

میر واجد علی تسخیرؔ کے دو بیٹے تھے۔ چھوٹے صاحبزادے سید امیر حسن تخلص فروغؔ باپ کے مرنے کے بعد تلاش روزگار کے سلسلے میں حیدرآباد گئے اور وہاں پیشۂ وکالت اختیار کیا۔ یہ تسخیرؔ کی دوسری بیوی کے بطن سے تھے۔ فروغؔ حیدرآباد سے ہر سال محرم کرنے کے لئے لکھنؤ آتے تھے اور یہاں عشرہ بڑی دھوم سے کرتے تھے۔ مرثیہ خوب کہتے تھے اور اس فن میں مرزا دبیرؔ کے خویش سید بادشاہ علی بقاؔ کے شاگرد تھے۔ لکھنؤ کے عشرہ میں فروغؔ نوتصنیف مرثیہ خود پڑھتے تھے۔

تسخیرؔ کے بڑے صاحبزادے حاجی سید نظیر حسن لکھنؤ کے تعلقداران اور روساء میں شمار ہوتے تھے۔ اردو میں شعر کہتے تھے اور تنویرؔ تخلص کرتے تھے وہ حکیم لکھنوی کے شاگرد تھے۔ خم

خانۂ جاوید میں ان کا مختصر سا کلام درج ہے۔ تنویرؔ نے پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ داروغہ میر واجد علی تسخیرؔ نے انہی کے نام ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں لکھنؤ میں امین آباد کے بالکل قریب نظیر آباد کی بنیاد ڈالی۔ یہاں پر ایک مسجد، کنواں، بازار و مکانات، اور ایک سرا بھی تعمیر کی گئی تھی۔

نظیر آباد میں سنگ مرمر کی ایک تختی لگائی گئی تھی جس پر قطعہ تاریخ بھی درج تھا۔ مسجد اور کنواں کا حال معلوم نہیں۔ ہم ذیل میں ''قطعہ تاریخ نظیر آباد'' مع نثری عبارت پیش کرتے ہیں جو اودھ اخبار نمبر ۱۴ جلد ۶ میں مورخہ ۲۰ر فروری ۱۸۶۴ء مطابق ۱۱ر رمضان ۱۲۸۰ھ کو شائع ہوئی تھی۔

''قطعہ تعمیر نظیر آباد''

''داروغہ میر واجد علی صاحب نے کہ رئیس اعظم لکھنؤ سے ہیں متصل امین آباد اپنے فرزند ارجمند سید نظیر حسن صاحب زاداللہ عمرہ وقدرہ کے نام سے مع مسجد و چاہ و گنج و بازار و دکانات و سرا نظیر آباد' آباد فرمایا جس کے قطعات تاریخ مؤلفہ سید محمد میر خاں امیر متخلص اخبار مطبوعہ ۲۳ر دسمبر میں درج ہو چکے۔ اب قطعۂ تاریخ تصنیف ترکی شاعر جو سنگ مرمر کی تختی پر کندہ ہو کر نظیر آباد میں لگائی گئی ہے واسطے تفریح طبع ناظرین اخبار کے درج ذیل کرتے ہیں''۔

تعالیٰ اللہ زہے ممتاز دوراں
سیادت منزلت واجد علی خاں
بنائے خیر انہیں مدّنگہ ہے
سرا و چاہ و بازار اک جگہ ہے
نظیر سید ذیشاں ہے فرزند
خوش اقبال وخوش اطوار وہنر مند
جو پوچھو نام یہ شرح حسن ہے
نظیر اول ہے بعد اس کے حسن ہے
مہ پر نور اوج عزواقبال
جواں بخت وجواں دولت جواں سال
اسی کے نام کا بازار ہے یہ
نظیر آباد نیک آثار ہے یہ
یہیں بخت رسا ہے نام دلال
اسی بازار میں بکتا ہے اقبال
بعہد صاحبان نام آور
رعیت پرور و انصاف گستر
جناب ویفلک والا مناقب
جہاں پرور کمشنر چیف صاحب
کہ سرکوپر ہیں جوڈیشنل کمشنر
رئیس وفاضل واشراف پرور
وہ بیرو صاحب عادل کمشنر
وہ چینر لین ذی رتبہ مجسٹر
وہ کیپر صاحب ذی ہمت و جود
کمشنر کی جگہ پر ہیں جو موجود
خوشا ڈپٹی کمشنر لین صاحب
کہ ہیں علم وہنر ان کے مصاحب
بس اپنے قول کے پورے یہی ہیں
غرض انجیل کے سورے یہی ہیں
انہی کے عہد میں بازیب وزینت
نظر آئی ہے آبادی کی صورت
زکیؔ نے نظم کی تاریخ بنیاد
جیئے مالک، نظیر آباد آباد

۱۲۸۰ھ

(حوالے: قیصر التواریخ جلد دوم سید کمال الدین حیدر، سوانح عمری، مرزا محمد کاظم، تاریخ اودھ جلد چہارم، خم خانۂ جاوید جلد دوم، بیگمات اودھ حیات دبیرؔ، دربار حسین، دبستان دبیرؔ، اودھ اخبار مطبوعہ ۲۰ر فروری ۱۸۶۴ء۔

